"عشق پر زور نہیں ......"

"اے آپا، کچھ سنا؟" وہاب چچا کی دُلہن کی ناک کے غدود پھول گئے تھے۔ میں نے ان کی ناک سے خون نکلتے نہیں دیکھا۔ وہ بھد بھد کرتی بڑے آپا والی ڈیوڑھی سے اُتریں۔ اُن کی گود میں اُن کا دسواں یا رھواں استقاط تھا۔ ننھے بھائی اُن کے ہر بچے کو استقاط کہا کرتے تھے۔ کیوں کہ جوں ہی اُن کا پیر بھاری ہوتا وہ استقاط کے لئے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیتیں، دور دور کے محلوں کی دائیاں اور مہترانیاں ہار جاتیں اور ٹلوا ہیاؤں ہیاؤں آ ہی جاتا۔ مشکل سے ساڑھے چار فٹ کا قد ہوگا، مگر قطر بھی اتنا ہی ہوگا...... بس گول، جیسے ہوا بھری فٹ بال، پیٹ خالی ہوتا جو کہ بہت ہی تھوڑے وقفے کے لئے ہوا کرتا تھا۔ تب بھی وہی حالت رہتی۔ ایک دو انچ کا فرق تو وہ جب ڈٹ کر رجب کے کونڈے کھاتی تھیں۔ جب بھی ہو جاتا تھا۔ سیر کھسکتی وہ دھپ سے آکر بیوی کے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ بیوی اور اُن کی پٹاریاں چھنک اٹھے۔ ہم اپنی اماں کو نوکروں کی دیکھا دیکھی بیوی ہی کہتے تھے۔

"اے ہے موت آئے۔ نگوڑے نے موت دیا۔" وہ لونڈے کو پائینتی پہ

ٹکا کر "شی شی" کرنے لگیں۔ بیوی جل گئیں۔ "کمبخت نے موت دیا تو اُس میں کوسنے کی کونسی بات ہے؟"

"اے ڈبتی ہیں تو اُس کا ذکر کر رہی تھی آپا، خلیفن ڈوبے نے نکاح کر لیا۔"

"اوئی... خلیفن نے نکاح کر لیا... کب؟... کس سے؟" بیوی ناک پر سروتا رکھ کر چونکیں۔

"پچھلی جمعرات کو... ممدّ میاں سے۔"

"اے خدائی خوار کو یہ بڑھاپے میں کیا چو نچلے بگھارنے کی سوجھی۔"

"اللہ جا ڈے۔" وہاب چچا کی دُلہن نے گریبان کھول کر لونڈے کا دسترخوان لگا دیا۔ اللہ کیا بدلتا تھا۔ ہم لونڈیاں بالیاں تو شرم سے پانی پانی ہو جایا کرتی تھیں۔ بچوں کے ناشتہ دان تھے کہ مُراد آبادی لوٹے۔ پچھلا استقاط تو اسی لوٹے کے نیچے دب کر جان بحق تسلیم ہو گیا۔ رات کو سوتے میں مُنہ میں دودھ دیا۔ نہ جانے کیسے نیند میں کروٹ لی کہ مُنہ اور ناک پر ڈھائی تین سیر گوشت آن پڑا۔ بیچارے کا دم گھُٹ گیا مر گیا۔ اُن کا جسم دیکھ کر مجھے خیال آیا کرتا تھا شاعروں کو عورت کے اس حصّہ جسم سے بڑا عشق ہے۔ دیکھیں ایک دفعہ وہاب چچا کی دُلہن کو تو جی بھر جائے۔

خلیفن چھیالیس سال کے پیٹے میں ہونگی۔ خلیفہ کو مرے چار پانچ سال ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں شریف عورت اس عمر میں بوڑھی ہو جاتی ہے اور کسی سے دل لگانے کی بجائے خدا سے لَو لگاتی ہے۔ کوئی نگوڑی نا بیٹی نہ تھیں۔ دو بیٹے دو بیٹیاں چھوٹی بیٹی بکّو میرے ساتھ دھن کوٹ کے مدرسے میں روز تختیوں سے پٹتی جاتی تھی۔ باقری کا رحمٰن بھائی کے لونڈے انو سے بڑے دھماکے کا عشق چل رہا تھا۔ کیوں کہ ڈولا کا کردار خاکسار ہی ادا کرتی تھی۔

خلیفن کا سن نکاح کا نہ تھا۔ پھر ممدّ میاں اُن سے دو سال چھوٹے ہی ہوں گے۔ بیوی ڈیڑھ سال ہوا جا۔ بچے چھوڑ کر مر گئی تھی۔ نگوڑے ناٹھے رہ گئے تھے کیا دبلو بھیکل انسان تھے۔ یہ لمبا قد، چوڑی چھاتی، چیچک رو، سیاہ بھجنگ۔ لکڑی کا دھندا کرتے تھے۔ چھتے پہ ان کی ٹال تھی۔ خود احاطہ میں رہتے تھے۔ کبھی لکڑیوں کی ضرورت ہوتی

خود جھکڑالے کراتنے تو ڈیوڑھی پر ضرور آتے۔

"آپا پوچھو . . . . پان دان نہیں دوں گی" وہ زور سے ڈنکارتے۔ محلوں ٹولوں میں سب رشتے دار ہی ہوتے ہیں۔ اماں جنھیں محمد میاں کی ہاتھی جیسی چنگھاڑ سے دل کا دورہ پڑنے لگتا تھا۔ جلدی سے پان لگا، پاندان کے ڈھکنے پر رکھ کر بھجوا دیتیں، محمد بھائی خاصدان میں پان لگ کر جانے والی حیثیت کے آدمی نہیں تھے۔ اُن کی بیوی جب زندہ تھیں، آتیں تو پلنگ کی ادوائن پر ہی بیٹھتیں۔ وہاب چچا کی دُلہن وصیہ سے ہر جگہ بیٹھنے کا حق رکھتی تھیں۔

علیم الدین، کلیم الدین دو بیٹے ریلوے میں گڈس کلرک تھے۔ بڑی بیٹی زینب ہمارے ہی محلے میں یعنی پنجہ شاہی پر رہتی تھیں۔ ان کے میاں کندے کا کام کرتے تھے۔

چھوٹی کا میاں فیض آباد میں تھانے دار تھا، وہ سب سے زیادہ مالدار تھا۔ خلیفہ نے اُنھیں کسی کا محتاج نہیں چھوڑا تھا۔ اپنا مکان تھا۔ دو کوٹھریاں اور کھپریل۔ گھر بیٹھے بٹھائے نیک بخت کو کیا مار پڑی کہ جوان جہان بیٹوں بیٹیوں کا مُنہ کالا کرا دیا۔

زینب خالہ نے تو رو رو کر آنکھیں سُجا لیں۔ اُن کی نندوں نے اتنے طعنے دئے کہ کلیجا چھلنی کر دیا۔ اُنھوں نے جل کر پھندن کی منگنی اپنی بڑی نند کی لونڈیا سے توڑ دی۔ پھندن اپنی پھوپی زاد بہن سے بچپن سے منگا ہوا تھا۔

"پھندن کی منگنی ٹوٹ گئی . . . . پھندن کی دُلہن روٹھ گئی . . . . پھندن کی ساس نے منگنی توڑ دی" گلی کے لونڈوں نے وہ نکوڑے کے پیچھے تالی دی کہ اُس نے اسکول جانا چھوڑ دیا۔ دن بھر کنکیاں لوٹا کرتا تھا۔ چھ برس کا پھندن مجنون بن گیا۔

ڈھیلی ڈھالی خلیفن سے کسی کو اُمید نہ تھی کہ یوں بڑھاپے میں خصم کر لیں گی۔ مُوا سارا چونڈا ایسک ہوتا جا رہا تھا۔ ہاں بتیسی سلامت تھی۔ سفید براق کپڑے پہن کر کبھی تیج تیوہار پر حصّے کی رکابی تھامے ہمارے ہاں آتی تھیں۔ کبھی اپنے گھر میں رہتی تھیں۔ بڑی محبت کی آدمی تھیں بات بے بات بچوں کو گھر میں بھرے رہتی تھیں۔ کبھی سنگھاڑے بانٹ رہی ہیں۔ کبھی بیر، کبھی کچھ نہیں تو مٹھی مٹھی چنے ہی بانٹ دیتیں۔ باری باری سب بیٹوں بیٹیوں کے ہاں جا کر رہیں، مگر کسی کو اُن کی ضرورت نہ تھی۔ ویسے زبان کی ہمیشہ

سے کڑوی تھیں۔ پر خلیفہ کی موت نے تو زبان کی نوک میں زہر بھر دیا۔ جہاں جاتیں سبھی کا کانٹا بن جاتیں۔ میاں بیوی میں طلاق طلاق پر نوبت پہنچ جاتی۔ ویسے زینب آپا کی سسرال میں اتنی جگہ بھی نہ تھی کہ خلیفن بھی رہ سکتیں۔ کلیم الدین کی بیوی سے اس لئے نہ بنی کہ وہ ٹھہریں فیشن ایبل۔ اُن کی بچیاں گگّے سے بالوں میں ربن ڈالتیں خلیفن کو ہول اُٹھتی وہ تیل چپڑ کر بیتڈیاں باندھ دیتیں۔ بہو نے صاف کہہ دیا "یا تو اماں رہیں یا میں"

ظاہر ہے کہ اماں کو بوریا بستر اُٹھا کر اپنے گھر لوٹنا پڑا۔ فیض آباد والی کے ہاں جی نہ لگا۔ گھر نوکروں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ذرا ذرا سی بات پر چوریاں پکڑتیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتیں۔ لازم تو یہ تھا کہ مزے سے دو وقت کی روٹی ملتی تھی۔ اللہ کی یاد میں وقت گزارتیں۔ مگر نہیں خلیفن کو تو کُھجل تھی۔ نچلا بیٹھنا دشوار تھا۔ گھر بھر سارے گھر میں گھستی پھرتیں۔ اِدھر کی چیزیں اُدھر، ہر جگہ گھر میں تانے، نوکروں نے اُن کے خلاف محاذ بنا لیا۔ زندگی دُشوار ہو گئی۔ ویسے میاں بیوی کو اپنی باتوں سے کب فرصت ملتی تھی۔ جو ان سے دو باتیں کر لیتے۔ رہنا گھر میں بچہ تھا کہ اُن کا جی بہلتا۔ چھوٹے نے صاف انکار کر دیا۔ "یہاں آپ کو قباحت ہوگی۔ میں خرچہ تو بھیج رہا ہوں پابندی سے" خرچے کی خلیفن کو کمی نہ تھی۔ صرف خرچہ ہی زندگی کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اُنھیں سجی ہوئی مورتی کی طرح بیٹھنے کی عادت نہ تھی۔ اچھے خاصے گھر میں کون تھا اب کوڑا کرنے والا پھر بھی جھاڑو دیتیں۔ خلیفہ زندہ تھے تب اتنی تنہائی نہ تھی۔ کتنے کام تھے۔ کیسا بھرا بھرا گھر لگتا تھا۔ ایک دم کی کتنی رونق تھی۔ چھوٹے کی جب تک شادی نہ ہوئی تھی زینت بھی باپ کی لاڈلی تھی۔ کیا مجال جو روز نہ آئے۔ اب مہینے گذر جاتے تھے۔ اُسے اپنے بال بچوں ہی سے فرصت نہ تھی۔ کبھی وہ دن تھے۔ خلیفن کو نواسوں، پوتوں کی طرف نظر اٹھانے کی فرصت نہ تھی۔ خلیفہ ہی اُن کی گود کا بچّہ تھے۔ کئی سال سے چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے۔ خلیفن اُنھیں نرسوں سے زیادہ بنا سنوار کر رکھتیں۔ کرتے کاڑھ کاڑھ کر پہناتیں۔ اُن کے گھٹنوں پر مالش کرتیں۔ حقّہ دم بھر کر دیتیں۔ پچیس سال کا ساتھ تھا۔ خلیفہ اُن کے جسم کا حصّہ بن چکے تھے۔ اُن کے پیار میں کتنا انہماک تھا کہ عبادت کا شبہ ہوتا تھا۔ وہ ایک پل کو اوجھل ہو جاتیں تو خلیفہ بچوں کی طرح مچل اُٹھتے۔ مرنے مرگئے

کبھی پٹی سے بیوی کی پلنگڑی جدا نہ کی۔

رات کو خلیفہ اُن سے فارغ کرنے تو وہ نئی نویلی دُلہن کی طرح تنک کر کہتیں۔

"اے ہٹو، بڑھاپے میں یہ چونچلے نہیں بھاتے۔"

"ہوں، کیا سمجھتی ہو، میں اپاہج ہوں تو مرد بھی نہیں رہا۔" وہ کروٹ لے کر اُن کے پلنگ پر آ رہتے۔ اسی لئے تو الگنی پر ہمیشہ جاذم تان دیا کرتی تھیں۔ جب بڑی بہو بیاہ کر آئیں تو انہیں اپنی جاذم کے باندھنے پر بڑی شرم آئی ہے ہے جوان بیٹا کیا سوچے گا۔ بہو کیا کہے گی۔

بہو مسکرائی "اے ہمارے امّاں ابّا تو جاذ میں نہیں تانتے۔ یہ تو ابھی تک دُلہن دُلہا بنے ہوئے ہیں۔" اُس نے کئی بار کہا۔

"بکواس مت۔" بیٹے نے ڈانٹا اور کروٹ لے کر روٹھ گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر یہ جاذم یوں ہی تنی دیکھی تھی۔ اس کے دل میں اس کا احترام تھا۔ اُس کا اپنا وجود بھی اسی جاذم کا مرہونِ منّت تھا۔ اور پھر آخری دنوں میں جب خلیفہ کا چل چلاؤ تھا، تب بھی اُن کا ہاتھ خلیفن کے سینے پر نہ ہوتا تو اُنہیں نیند نہ آتی۔ کتنا تشکّر تھا اُن کے ہاتھ کے لمس میں! اور اب نہ الگنی تھی۔ اور نہ ہی جاذم کے باہر پڑے ہوئے جوان بیٹوں اور بیٹیوں کے کھٹولے۔ چڑیاں دانا دُنکا چگ کر اپنے اپنے گھونسلوں میں جا چکی تھیں۔ نئی دُنیائیں بسائی تھیں۔ مگر خلیفن کا پنجرا سنسان پڑا تھا۔ کبوتر کو یم دوت اُٹھا کر لے گئے تھے۔ کبوتری تنہا پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دھڑکتے ہوئے دل پر کسی کا سہارا نہ تھا۔

• • •

خلیفن نے کھچڑی کی پتیلی چولہے پر سے گھسیٹ کر پاس کر لی۔ اب کون سینی میں کھانا سجا کر ایک اپنی جان کے لئے لے جائے۔ چٹنی بھی نہیں پیسی۔ بڑے کو بڑی بھاتی تھی۔ گھی کی لمسی طاق پر رکھی تھی مگر اُنہیں ہاتھ بڑھا کر اُتارنے کی توفیق نہ

ہوئی۔ تیسرا روزہ تھا افطاری اُنھوں نے سب کی سب مسجد میں بھجوا دی تھی۔ دور دور کوئی اپنا نہ تھا۔ زینب اپنی سسرال گئی ہوئی تھی۔ کتنا کہا۔ گھٹنے جا رہی ہے۔ بچی کی پڑھائی کا ہرج ہوگا۔ اسے میرے پاس چھوڑ جا۔ مگر کون چھوڑتا ہے اپنی اولاد کو۔ انسان کس طرح کلیجا پھاڑ کر پیدا کرتا ہے۔ اور پھر خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ دودھ چھٹا کر جب بچّے کو روٹی چاول پہ لگا دو تو پھر وہ ماں سے ایسے نہیں چمٹتا۔ اولاد بیاہ دو تو اُس کے اپنے بال بچّے، اُس کی ساری محبّت، سارا پیار لے لیتے ہیں۔ بوڑھے کھوسٹ ماں باپ کے لئے کیا بچتا ہے؛ صحن میں مینہہ کی جھڑی لگی تھی مگر خلیفن کی آنکھیں خشک تھیں۔

اُنھوں نے کھچڑی کی پتیلی جھٹکے پر چوں کی توں اُٹھا کر رکھ دی۔ لوٹے سے ہاتھ بھگو ڈالے۔ ایک رکابی وہ بھی چکنائی کی۔ دھونے میں کون سے ہل بیل لگتے ہیں۔ سارے سی باورچی خانے میں کبھی برتنوں کا ڈھیر ہوا کرتا تھا۔ تین چار پتیلیاں چھوٹی بڑی، آٹھ دس پلیٹیں، چمچے، کفگیر، تھالیاں، سینیاں مانجھتے مانجھتے کمر ٹوٹنے لگتی تھی۔ کیا پتہ تھا۔ ایک دن ——— ایک ہی پلیٹ رہ جائے گی، وہ بھی سوکھی!

دروازے پر زنجیر کھڑکی۔ "کون ہو سکتا ہے؟ — الٰہی خیر۔ . . . کہیں تار نہ ہو۔ اولاد اللہ نے دور بھیجدی تو پھر ممتا کی رگ بھی مسل دی ہوتی۔ تیری بڑی قدرت ہے پروردگار۔"

"کون ہے؟" اُنھوں نے پلیٹ طاق میں رکھ کر پکارا۔

"دروازہ تو کھولو . . . . میں ہوں محمد . . . کلّو کی ماں۔"

"ارے یہ رات کے وقت!" اُنھوں نے سر پر بورا ڈال کر دروازہ کھولا۔ ور آڑ میں ہو گئیں۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے . . ." محمد نے دہلیز کے نیچے سر چھپاتے ہوئے مینہہ سے بچنا چاہا۔

"اے مردوئے، کھڑا پانی میں بھیگ رہا ہے۔ منہ سے نہیں پھوٹتا، کیا بات ہے؟"

"وہ . . . . . وہ . . . . کوئی دائی کا پتہ مل جاتا تو . . . ."

"ہو ادہو... تو یہ بات ہے چھپ چھپاتے بیاہ بھی رچالیا اور ہمیں پتہ نہیں۔"

"یہ بات نہیں، کلو کی ماں،" ویزار محمد میاں نے بھیگی ہوئی مردہ آواز میں کہا۔

"اے بھائی یہ رات کے گیارہ بجے بانی آندھی میں پہیلیاں بجھوانے آئے ہو۔ یہ کیا مذاق ہے؟"

"اب... اب تم سے کیا کہوں... بنّو... بنّو..."

"بنّو!... اوئی کون بنّو؟"

"میری لونڈیا۔"

"اچھا... اچھا بنو... اوئی بنو نگوڑی... اے مردوئے تیرا جیتا پگھل گیا ہے کیا؟... ہے ہے! یہ سب باسط کے لونڈے کے کرتوت ہیں۔"

"دائی کا پتہ بتاتی ہو کہ... میں جاؤں... لونڈیا کا اتنے میں دم نکل چکا ہوگا۔" محمد میاں بولے۔

"ہے ہے... اب اس وقت دائی کا پتہ کہاں سے بتاؤں... مسکین کو باؤ گولے کا درد اٹھا ہے۔"

"اسی کے ہاں سے آرہا ہوں۔"

"تم کہاں رہو ہو؟"

"نانی نعمان... مگر میں... میں نہیں چاہتا۔ اللہ دئی بڑی حرامزادی ہے۔ سارے محلے میں پھونک دے گی۔ ویسے ہی رہنا دوبھر ہو رہا ہے... اب اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ جاکر حرامزادی کا گلا گھونٹ دوں۔" محمد میاں جلدی سے مڑ لیے۔

"اے ٹھہرو میاں! یہ بھی کوئی طریقہ ہے... تم کہو تو میں چلی چلوں اور کیا..."

"تم!"

"ہاں ایک سے دو اچھے ہووے ہیں... اور تم ٹھہرے مرد آدمی... کوئی سواری؟"

"اکہ ہے چھیدو کا..."

برقعہ سر پر ڈال کر خلیفن نے جھٹ لالٹین بجھا، محمد میاں کو تالا پکڑا دیا اور لپک جھپک دوڑیں اکہ کی طرف۔ تالا لگاکر محمد میاں بھی لپکے جلدی سے خلیفن کو سہارا دے کر خود اکہ ہانکنے لگے۔

"او چھیدو موا کہاں ہے؟"

"بیٹے ہوئے بڑا تھا۔ بہت سر مارا۔ پھر میں اکہ لے کر چلا آیا۔ سالے کو کرایہ بھی نہیں دوں گا۔"

اندھیری کوٹھڑی میں کالی بھجنگ چٹخی ہوئی چمنی کی لالٹین بھڑک رہی تھی اور کھٹولے پر تیرہ چودہ برس کی تنکا سی لڑکی سسکیاں بھر رہی تھی۔

"نئی میری لاڈو، نہیں۔" خلیفن کا جی بھر آیا۔ انھوں نے بچی کا منہ اپنے ڈوپٹے کے کونے سے پونچھا۔ پھر اپنے آنسو ضبط کرکے محمد میاں پر چلائیں۔

"کیا میری چھاتی پر کھڑے ہو کاٹھ کے الو کی طرح۔ کوئی صاف ستھری چادر تو دو۔"

صاف ستھری چادر کا اس گندے سنڈاس گھر میں کیا ذکر، محمد میاں نے اپنی دھلی ہوئی تہمد نکال کر دی۔ دو ایک قمیض بنیان خلیفن نے سے لئے پھر کواڑ بھیڑ کر انھوں نے برقعہ ایک طرف ڈالا۔ اور آستین چڑھا کر بچی پر جٹ گئیں۔ گودڑ گھسیٹ کر ایک طرف ڈالا۔ دری موڑ کر آدھی اس کے نیچے بچھائی۔ پلنگڑی کو گھسیٹ کر سیدھا کیا۔

"اے کوئی دوسری لالٹین نہیں؟"

"ہوگی کہیں کوٹھڑی میں۔"

"پھوبل ڈالو۔ تم اسی کو صاف کرو۔ اتنے کوئی موم بتی دے دو۔" محمد میاں نے تیل کی کپی پکڑا دی۔ انہیں ہوش ہی نہ تھا کہ برقعہ نہیں ہے۔ محمد میاں کی آنکھیں نیچی رہیں۔ برآمدے میں ایک پانچ چھ برس کی لڑکی اور دو منو سے چھوٹے لڑکے سہمے ہوئے ٹکر ٹکر تک رہے تھے۔

"ان بچوں کو تو سلا دو۔"

"نہیں سوتے حرامزادے"

"حرامزادے تو تم ہو محمد میاں جو لونڈیا کی یہ درگت بنوالی۔ اور آنکھوں کی چربی نہ پگھلی"

مارے غصے کے محمد میاں کا منہ لال پڑ گیا۔ ایک دم بھنّا کر بولے "چولھے میں جاؤ ... غارت ہو ... جو ہوگا سو میں خود دیکھ لوں گا۔ ہمیں تمھاری ضرورت نہیں"

"گھاس کھا گیا ہے مردوے، تو جنے گا؟" خلیفن غرّائیں۔

"تیری ایسی کی تیسی مُردار ... چل نکل یہاں سے ...." محمد میاں گرجے۔ مارے غصے کے اُن کے آنسو بہنے لگے اور سارا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔

"چل دور ہو موئے ...." اُنھوں نے دھڑ سے دروازے بند کر لیے۔ اور محمد میاں سر پکڑ کر ہچکیوں سے روتے وہیں بیٹھ گئے۔ بچے بھی رونے لگے۔

ڈبّی کی روشنی میں اُنھوں نے دیکھا، بچی کی آنکھیں چڑھ گئیں، دانتی بھچ گئی۔ اور ہاتھ پاؤں مڑ گئے۔

"ہائے میری بچی ...." وہ دھاروں دھار روتی ہوئی اُسے سنبھالنے لگی۔

اُن کی چیخ سُن کر محمد میاں نے دروازہ کوٹ ڈالا ... بنو سخت جان عورت کی ذات دررو کر پھر سنبھل گئی۔ اور اُنھوں نے محمد میاں کی سات پشتیں تول ڈالیں۔ یارسلطان کے بڑھوں کی قبریں کھود کر اُن کے سروں پہ سے کفن کھسوٹ لیے۔ مائی تھان اور مائی نتھان کے رہنے والوں حتّیٰ کہ آگرے کے بابیوں تک کو نہ چھوڑا۔ وہ روتی جاتی تھیں۔ سوکھی ماری ٹڈا سی لونڈیا دوہری ہوگئی۔

"نہ رو چندا ... بس ... ہاں ذرا پٹی پکڑے میری بٹیا ... ہاں میری لاڈو ... اوپر سانس نہیں کھینچ ... ہاں ... بس نیچے ہی نیچے ... ان کے ہوتوں سوتوں کی میّت جلے ... دم گھونٹ کے ... ہاں ... ہاں ... ہا ... آ ... آن ....."۔

بچی میں دم نہ تھا۔ جیسے جھینگڑے کا گُدّا۔ خلیفن نے لوٹا پوٹا ... پیروں سے

جُھلایا۔ دو چار تھپکیاں دیں۔

"جیں ...." ننھی زندگی پکاری اور مارے خوشی کے خلیفن کے دوگنے آنسو بہنے لگے۔

"بیٹا ہے ماشاء اللہ ...." دھڑ سے اُنھوں نے دروازہ کھول کر اعلان کیا۔ اُن کا منہ ہاتھ اور کپڑے خون میں لت پت تھے۔ ڈوپٹہ غائب ... گوشت کی لال بوٹی کی طرف اُنھوں نے پیار سے دیکھا۔ اور محمد میاں کے ہاتھ سے لالٹین لے کر کواڑ بھیڑ دیے۔ محمد میاں کی مسکراہٹ ایک دم کے لیے لپکی اور پھر بجھ گئی۔ خلیفن بھی کھسیانی رہ گئیں۔ مبارکباد کا بھلا کیا موقع تھا!

"ایک پیالہ دودھ ہوگا؟" اُنھوں نے بچے کو نہلانے کے بجائے اپنے کرتے سے پونچھ کر محمد میاں کی قمیص میں لپیٹ کر بنو سے چھوٹے بھائی کو پکڑا دیا۔ بچے چاروں طرف بیٹھ کر حیرت سے اُس کیڑے کو دیکھنے لگے جو اُن کی بھولی آپو کے پیٹ سے نکلا تھا۔

بچوں کو سلا کر محمد میاں کی قمیص پہن کر اُنھوں نے ایک دُھلی ہوئی تہمد کا ڈوپٹہ بنا کر اوڑھ لیا۔ پیجامہ کا کیا ہے گھر جا کر بدل لیں گی۔ یوں تو باورچی خانہ تھا۔ جیسے کُتّے کی کنڈلی، نہ جانے کب سے ہانڈیاں پڑی سڑ رہی تھیں۔ محمد میاں کی بہو کے سارے جہیز کے برتن لتھڑے پڑے تھے۔

واپسی سحری کے وقت سے پہلے نہ ہو سکی۔ راستے میں محمد میاں نے اپنی بدتمیزی کی معافی مانگی۔ غلطی کچھ خلیفن کی بھی کم نہ تھی۔ ایسے موقعے پہ خلیفہ ہوتے تو لگاتے دو جوتیاں چوٹی پکڑ کے۔ بڑا نیہا تھا مرنے والے کا۔

"مگر اتّا پھر بھی کہوں گی محمد میاں تمھاری ہی کمزوری ہے۔"

"کیا کروں للّو کی ماں! ... لونڈیا کا باپ ہونا بھی قیامت ہے۔"

"مرد ہو کے مجھ سے پوچھتے ہو؟ .... وہ کوئی لاٹ کا بچہ ہی ہو وے، میں تو چھاتی پہ چڑھ کے لہو پی جاتی۔"

اور سچ مچ خلیفن نے خون پی لینے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ جب بنو میں ذرا دم آگیا

تو ایک دن وہ اپنی زرہ بکتر یعنی اپنا تازہ دُھلا برقعہ نکال کر پہنچیں۔ محمد میاں کے ہاں انہوں نے واحد میاں طولعمرہٗ یعنی بنو کے لونڈے کو تیل مل کر نہلایا۔ یہ ڈھیر سا کاجل بڑی بڑی آنکھوں میں بھرا نظرِ گذر سے بچانے کو ایک ٹیکا دائیں پیر کے تلوے اور دائیں گال پر لگایا۔ سرخ گرنٹ کا کرتہ، جس میں پیلی مغزی لگی تھی، پہنا کر اودا ہری جھالر کا کنٹوپ پہنایا جو انہوں نے بساطی کی دوکان پر جاتے جاتے خرید لئے تھے۔ بنو کو اُنھوں نے گلابی غرارہ کُرتا، اور فیروزی چُنا ہوا دوپٹہ اُڑھایا۔ نگوڑی ایسی تھی کتنی جو برقعہ اوڑھتی، اُنھوں نے لمبی سی چادر سر سے پیر تک لپیٹ دی جو اُس کی موتیوں کی گرگابی تک پہنچ رہی تھی۔

اور یوں قافلہ چلا۔ آگے آگے فیلڈ مارشل یعنی خلیفن برقعے کا نقاب منہ پر منڈھے اُن کی کھونٹی سی ناک کنارہ بنی، گود میں واحد علی خاں ولد واحد علی خاں ولد باسط علی خاں، سپرنٹنڈنٹ پولیس ساکن مائی نخان، پیچھے اُن کے واحد علی خاں کی مختصر سی والدہ ماجدہ اور اُن کے پیچھے محلے کے لونڈوں اور لینڈی کتوں کی فوج۔ خلیفن نے حویلی پر چڑھائی کر دی۔

دربان "نا، نا" کرتا ہی رہ گیا۔ اور وہ ایک جھپاکے میں غڑاپ سے منو کا ہاتھ پکڑ کے اندر، دربان کتوں اور گلی کے بچوں سے جوجھتا رہ گیا۔ اندر سپرنٹنڈنی برآمدے میں تخت پر بیٹھی تازہ اخبار "تہذیبِ نسواں" کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ صاف ستھری چوکیوں پر چٹی چاندنی کسی تھی جس پر گاؤ تکیہ اور گاؤ تکیے کی ہم شکل بیگم سجی ہوئی گوبھی کی کھیر کی ترکیب پر غور کر رہی تھیں۔ شکل دیکھ کر اُن کی جٹّی بھنویں کنکھجورہ بن گئیں۔

دندناتی آ تو گئیں خلیفن، پر ایک دم جی پہ پولیس کی بیگم کی دہشت بیٹھ گئی۔ نقاب اُلٹ کر ہکلائیں "سلام ۔ ۔ ۔ بیگم صاحب ۔ ۔ ۔ اری منو، ساس کو سلام کر نگوڑی!" اُنھوں نے سنبھل کر حکم دیا۔

سوکھا مارا زرد ہاتھ ماتھے پر لگا کر بنو دوہری ہو گئی۔ چادر کے گھونگھٹ میں اُس کے لرزتے ہوئے آنسو جذب ہوتے رہے۔

"کیا ہے خلیفن؟" بیگم نے ترشی سے کہا۔ اُنھوں نے اُن سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا تکیے سے لگی، عینک اُتار کر گھورنے لگیں۔ مگر خلیفن قلعے کے اندر پہنچ کر شل ہو گئی تھیں۔ دھم سے بیٹھ گئیں۔

"ارے بیگم پوتا مبارک ہو!" اُنھوں نے رنگ برنگی پوٹلی بیگم کی گود میں دھر دی۔ بیگم ایسی بدکیں جیسے کسی نے دہکتا انگارہ گود میں ڈال دیا ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اُنھوں نے جلدی سے پوٹلی اپنی گود سے الگ رکھ دی، "نکل جاؤ کمبختو ۔ ۔ ۔ ۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب گھر پر نہیں ورنہ تھانے پہنچا دیتے۔"

"اے بیگم! ۔ ۔ ۔ کیسا پتھر کا کلیجہ ہے تمہارا!" اُنھوں نے بچے کو چھاتی سے لگا کر کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟ ۔ ۔ ۔ بھاگ جاؤ تم لوگ ۔ ۔ ۔ ۔ ارے او مسیتا! ذرا دیکھ تو میاں پنڈت جی کی طرف ہو نکلے۔ ایک کریلا تولا ۔ ۔ ۔ ۔"

"ہاں ہاں بلوا لو دادا جان کو بھی، پوتے کو دیکھ کر کلیجا ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"بس بس، زیادہ جبڑا نہ ہلاؤ خلیفن بُوا ۔ ۔ ۔ یہ پلا اُٹھاؤ اور باہر نکلو۔"

"اے ہے، اس ننھی سی جان کو پلا کہہ رہی ہو، ذرا دیکھو تو بیگم۔ بالکل کھلونا ہے۔"

"اے تو ہم کیا کریں ۔ ۔ ۔ ۔"

"ارے کلیجے سے لگاؤ اور کیا کرو ۔ ۔ ۔ اللہ نے یہ دن دکھایا۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ بیگم صاحب، اتنی ننھی نہ بنو۔ غریب کی لونڈیا مٹی کی گڑیا نہیں کہ چار دن کھیل کے ٹھکرا دیا۔ ہاتھ پکڑا ہے تو صاحبزادے کو نبھانا ہوگا۔"

"مگر خلیفن، ۔ ۔ ۔ واحد میاں نے تو ابھی میٹرک بھی نہیں کیا ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ رکھے بی اے کریں گے ۔ ۔ ۔ ولایت جائیں گے۔ تب شادی وادی بھی ہو ہو جائے گی۔" جب تک سرکار نہ آئیں، بیگم نے سوچا ذرا نرمی سے بات ہو جائے۔

"ہاں ہاں بیگم میں یہ کب کہتی ہوں کہ میاں پڑھنا چھوڑ دیں ۔ ۔ ۔"

"اور پھر میں تو اپنی نند کو زبان دے چکی ہوں۔" اُنھوں نے دبی زبان سے کہا۔

"نند کو زبان دے چکی تھیں بیگم تو لونڈے کو گلے میں رسی ڈال کے رکھا ہوتا کہ یہ نتھا بیل دوسروں کی کھیتیاں نہ کھیلتا پھرے۔ نا بیوی، وہ زمانے لد گئے۔"

خلیفن پھر گرم ہوئیں۔ ایک دم بنو پر برس پڑیں۔ "اری نامراد، کیا ٹسوے بہا رہی ہے اُٹھ کر ساس کے پیر پکڑ لے" اور بنو تو جیسے منتظر ہی تھی گرنے کی۔ تیورا کر بیگم کے قدموں پر گر گئی۔ ننھے ننھے سوکھے مارے ہاتھوں سے موٹے چکنے پیر پکڑ کر اُن پر ماتھا ٹکا دیا۔

بیگم کے جیسے کسی نے ڈنک مار دیا ہو۔ جھٹکا دیا تو بنو وہ جا کر سلفچی پر گری۔

"اے ہے چڑوا، تیرا دل ہے کہ موا پتھر، جو لونڈیا کے جگہ بے جگہ چوٹ لگ جاتی تو؟"

"اری خیرن... باقر... اللہ دی۔ ذرا لینا اس حرامزادی کو۔ نکالو تو اسے جوتیاں مار کے..."

"جوتیوں کی بچی، حرامزادی تو اور تیری سات پشتیں۔ بڑی لاٹ صاحب کی بچی آئی کہیں سے۔ چونڈا پکڑ کے اتنی جوتیاں لگاؤں گی کہ باوا کا نام بھول جائے..." شیرنی کی طرح خلیفن گرجیں۔ بنو اور اُس کا بچہ چلّا چلّا کر رونے لگے۔

"ارے یہ کیا قصہ ہے...؟" سپرنٹنڈنٹ صاحب گرجے۔ یہ ڈبل ڈول، یہ بڑی بڑی مہندی سے رچی ہوئی مونچھیں۔ گول انداز توند، چُست پاجامہ اور باریک لکھنؤ کی چکن کا کُرتا پہنے، شکاری ہیٹ گرمی سے بچنے کو لگا لیا تھا۔ عجیب تو بجیبیوں کی سی شکل کے لگ رہے تھے۔ کبھی بڑے جبت ہوں گے۔ اب تو پھٹکار برسنے لگی تھی۔

"سلام میاں..." خلیفن پھر لچک گئیں۔

"سلام خلیفن بُوا... کہو، اچھی تو رہیں؟" پولیس والے بڑے ہشیار ہوتے ہیں۔

"آپ کی دُعا ہے سرکار۔"

"بیگم کھانا تیار رہے؟" اُنھوں نے نرمی سے خلیفن کو ٹالنا چاہا۔ تہذیب زبان میں اُس کا مطلب ہے، آپ تشریف لے جائیے۔ کیونکہ کھاتے وقت صرف ذرا سے روٹی کے ٹکڑے کی آس میں ٹھہر جاتے ہیں مگر خلیفن کو کون ٹال سکتا تھا۔

"اے قربان جاؤں سرکار کے، کیا دادا جان کو ٹُکر ٹُکر دیکھ رہے ہیں واحد میاں آنکھیں تو سرکار بالکل آپ کی جیسی نرگسی ہیں۔"

"بیگم، یہ کیا بکواس ہے..." باسط میاں کے ہاتھ کی لرزش چھپائے نہ چھپی۔

"مجھ سے پوچھئے سرکار... یہ بنو آپ کی بہو... حمّد میاں کی لونڈیا... واحد میاں..."

"خاموش... بدتمیز... کیا ثبوت ہے تمھارے پاس؟"

"سرکار، سارا محلہ گواہ ہے۔ آپ کے ڈر سے کوئی بولتا نہیں۔"

"محلہ گواہ ہے؟... سچی بات ہوتی تو سب ہی کہتے، کیا میں نے اُن کا منہ بند کیا ہے؟"

"سرکار، آپ سے کوئی بھید نہیں چھپا... یہ واحد میاں کا ہے... صورت دیکھئے یہ پٹھانی آنکھیں کہاں چھپیں گی، ابھی سے پولیس والوں کی طرح اکڑ رہے ہے۔" اُنھوں نے بچے کو بانہوں میں جھلا کر کہا۔ "ہم سرکار، رحم کیجئے اس ننھی سی بچی پر سوچئے میاں، اس کا کیا ہوگا... اسے کون قبولے گا... محمّد میاں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا..."

"اوّل تو تم بکتی ہو، واحد میاں ایسے گئے گزرے بھی نہیں کہ موریوں میں ناک ڈالتے پھریں۔ دوسرے وہ ابھی پڑھ رہے ہیں۔ اور پھر اُن کی عمر ہی کیا ہے؟"

"بڑھنے کو کون روکتا ہے میاں، جم جم پڑھیں۔ اور میاں، بچہ پیدا کروانے کے لائق ہیں، کہنے کو ابھی جھنڈولے ہی ہیں۔"

"بکواس مت کر..." سولہ سترہ برس کے واحد خاں اوپر روشن دان سے آنسو بھری آنکھوں سے یہ ڈرامہ دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے۔

"میاں ذرا سوچئے آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ اس کی عزت رہ جائیگی۔ آپ کے عروج کو دُعائیں دے گی۔ ایک کونے میں پڑی رہے گی۔ دو روٹیاں تو آپ کے کُتّے بھی کھا لیتے ہیں۔" اُنھوں نے لرزتی ہوئی بنو کا گھونگھٹ سرکا دیا۔ "اس کی صورت دیکھئے سرکار۔"

"ہم اپنی بہن کو زبان دے چکے ہیں، خلیفن۔" سوکھی ماری بنو کی طرف آنکھ

اُٹھانے کی اُن کی ہمّت نہ ہوئی ۔

" تو سرکار، شرع میں تو چار کی اجازت ہے . . . . . واحد میاں شوق سے پھوپی کی بیٹی بیاہ لائیں ۔"

مگر اب باسط خاں کا پارہ چڑھنے لگا ۔ پُرانی نتھانے داری کی رگ اُبھر آئی ۔ اُنھوں نے نوکروں سے کہا ۔" دھکّے دے کر نکال دو سالی کو ۔"

بس گالی کا سُننا تھا کہ خلیفن بوا لاکھی کی طرف جھپٹ پڑیں ۔

" تیری ایسی کی تیسی حرام خور، دغا باز ۔" اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، گریبان پکڑ کر چپٹی جوتی اُتار تڑ تڑ چار پانچ رکھ ہی دیں ۔ باسط خاں نے جھنجھلائے ہوئے ریچھ کی طرح اُنھیں جھٹکا ۔ مگر اُنھوں نے باؤلی کُتیا کی طرح دانت گڑو دئے ۔ کُرتا چیر چیر کر ڈالا ۔ مونچھیں کھسوٹ ڈالیں ۔ ایسی مردمار تو کبھی نہ تھیں ۔ پر آج اُن پر جانو مرگھٹ کی بھتنی سوار ہو گئی تھی ۔

ہونا کیا تھا ۔ دھکّے دے کر حویلی سے نکال دی گئیں ۔ بچّے کی پوٹلی دبائے وہ لمبے لمبے ہاتھ چلا کر باسط خاں اور ساری پولیس فورس کو مغلّظات سنا رہی تھیں ۔

" اے محلہ والو! ڈوب مرو . . . . ارے یہ سپونت ہے کہ شیطان . . . . . . اس کا لونڈا پرائی بچیّوں کی عزت مٹّی میں ملائے . . . اُنھیں پیٹ رکھائے . . . . اور تم ہیجڑوں کی اولاد کان میں تیل ڈالے بیٹھے رہے . . . . ارے ایک دن تم سب کی جورو ئیں، بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں بھگائے گا ۔" اُنھوں نے کھڑکیوں، دروازوں میں سے جھانکتے ہوئے لوگوں سے کہا ۔" ہے ہے ۔ چوڑیاں پہن کے گھروں میں گھس جاؤ، بیوی کے لہنگے تلے ۔" اُنھوں نے لالہ جی کو دروازے کی آڑ سے چوہے کی طرح جھانکتے دیکھ کر پکارا ۔ بے چارے نے کھٹ سے دروازہ بند کر لیا ۔

ممّد میاں گھر میں سر پکڑے بیٹھے تھے ۔ خلیفن نے اُنھیں کہیں کا نہ رکھّا ۔ محلّے میں سر اُٹھا کر چلنا دوبھر ہو جائے گا ۔ ہنکارتی ہوئی جب وہ نیچے اور بنّو کو لے کر پہنچیں تو اُن کے پیچھے لونڈوں کی ڈھیری نہیں لگی ہوئی تھی ۔ نیچے اُنھیں ایسے دیکھ رہے تھے ۔ جیسے وہ پورس کی طرح سکندرِ اعظم کے دربار میں مُنہ توڑ جواب دے کر آئی ہوں ۔

" ارے خلیفن بوا کی ہمّت تو دیکھو ۔ سپوتنٹ صاحب کی مونچھیں اُکھاڑ ڈالیں ۔" مگر ممّد میاں کا جی چاہ رہا تھا کہ خلیفن کو جا پکڑ کر تھوک دیں موری میں ۔ مگر اس سے پہلے کہ ممّد میاں اُن پر حملہ کرتے، وہ بپھری شیرنی کی طرح اُنھیں پر برس پڑیں ۔ برقعہ اُتار کر اُنھوں نے اُن کے مُنہ پر دے مارا ۔" لو . . . . یہ برقع پہن کر نکلنا آج سے ۔"

" بس خلیفن، بہت ہو لیا ۔ اب سیدھی طرح اپنے گھر کا راستہ ناپو ۔ میری زندگی میں ویسے کون سی بہاریں تھیں جو اور تم نے کانٹے بو دئے ۔ سپرنٹنڈنٹ ہے خالہ جی کا داماد نہیں ۔ کوئی الزام لگا کر چکّی پسوا دے گا اور میری ٹال میں آگ لگا دے گا سو الگ ۔ نہ جانے کون منحوس گھڑی تھی جو تم سے پالا پڑا . . . . اس سے تو یہ بے حیا رنڈی مر گئی ہوتی ۔" اُنھوں نے بنّو کو ایسا رہپٹ لگایا کہ وہ جا کے گری اوندھے مُنہ ۔

" خبردار جو تم نے لونڈیا پہ ہاتھ اُٹھایا ۔ مارنا ہے تو مجھے مارو بنّو کے باپ . . . . قصور میرا ہے . . . . آگ لگے میری زبان کو . . . . میں نے تو لونڈیا کے بھلے کو یہ فضیحتا مول لیا ۔" اُنھوں نے بچّہ بنّو کی گود میں دے دیا اور بٹی پٹائی شکل لئے چل پڑیں اپنے اجاڑ گھر کی طرف ۔

سارا دن خلیفن روزے میں تھکی ہاری کھری چارپائی پر پڑی دھاروں دھار رو یا کیں ۔ اُنھیں افطار کی بھی فکر نہ تھی ۔ وہ سچ مچ جانتی تو اُنھیں پس کی گانٹھ جس پھیر میں ہاتھ ڈال دیں اُس کا کباڑا ہو جائے ۔ سچ تو ہے جو ہونا تھا ہو چکا ۔ چُپ چاپ کہیں بنّو کو کوئی بڈھا ٹھڈّا دوہا جو مل ہی جاتا ۔ مگر اب جو یہ نکھڑی پٹ گئی تو کوئی تھوکے گا بھی نہیں ۔ پھر پولیس والے ہوتے ہیں ذرا میلے ۔ بچھو ! باسط خاں کے ڈنک سے بچنا مشکل ہے ۔ آج خلیفن کو اپنے نکمّے پن کا یقین ہو گیا ۔ اسی زبان کی خاطر بہو داماد سے نہ بنی ۔

عصر کی نماز پڑھ کر سلام پھیر رہی تھیں کہ آہستہ سے کنڈی کھڑکی ۔" یا علی . . . . یا پیر دستگیر . . . . اے مولا، بارہ اماموں کا صدقہ، پولیس چوکی کا آدمی نہ ہو ۔ اے خدا رحم . . . ." کانپتے لرزتے ہاتھوں سے کنڈی کھولی ۔ تو کوئی نظر نہ آیا ۔ اطمینان کا سانس لے کر بند ہی کرنے والی تھیں کہ واحد میاں بھیگی بلّی بنے دیوار کے پاس سکڑے نظر آئے ۔

"الٰہی خیر!" بوا کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"کیا کام لڑکے؟" گھگھیائی سی بولیں۔

واحد میاں نے پٹی ہوئی گائے کی طرح ڈرتے ڈرتے نظریں اُٹھائیں۔

"اندر آ جاؤ بیٹا" بوا ایک دم نرم پڑ گئیں۔

واحد خاں پلنگ کی پٹی پر سر جھکائے بیٹھ گئے۔ آستین سے پیشانی کا پسینہ پونچھ کر بولنا چاہا مگر گلے میں آواز گھٹ گئی۔ آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو نکل پڑے۔

"مرد بچے ہو کر روتے ہو۔ اس بدبخت کا تو خیال کرو۔ ذرا سی بچی پر کیا بیت گئی۔ میرا تو کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔ کچی عمر کے جاپے میں اس ننھی سی کلی پر کیا گزر رہی ہو گی۔ بڑے ہو جاؤ گے تب پتہ چلے گا۔ میاں تمہارا کیا بگڑا! ماشاءاللہ بی اے، ایم اے پاس کر کے ندھن جاؤ گے، دولہا بنے گھوڑی پر چڑھ کر نواب زادی بیاہ لاؤ گے۔"

"نہیں بوا۔۔۔۔ میں سنکھیا کھا لوں گا۔" واحد میاں کی ہچکی بندھ گئی۔

"تف ہے تمہاری اوقات پر۔۔۔۔ تم مزے سے قبر میں جا لیٹو گے اور وہ تمہارا گناہ چھاتی سے لگائے گلی گلی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی۔ کیا بھول سا ہے واجد۔۔۔ باپ کی شکل ہے ماشاءاللہ۔" واحد کے کان سُرخ ہو گئے۔ کمسن باپ جس کی ابھی مسیں بھیگ رہی تھیں نامعلوم سے غرور سے مسکرا پڑا مگر دوسرے لمحے پھر ہونٹ کانپنے لگے۔

پھر نہ جانے کیا ہوا۔۔۔ بوا کو تو فرصت نہ تھی اپنے ہی آنسوؤں سے۔ محلے میں افراتفری پڑ گئی۔ رنگ مائی نشان۔ بیچ مسجد کے سامنے پولیس کی چوکی لگ گئی۔ محلے کے شہدوں نے سپرنٹنڈنٹ کا مکان جلانے کی کوشش کی۔ مسجد میں بعد نماز مغرب بڑی ہڑبونگ مچی۔ مُلّاجی تو فتویٰ دیتے تھے کہ دونوں کو سنگسار کر دینا چاہیئے۔ شرع شریف کا یہی حکم ہے پر محلے کے نوجوانوں نے ہلڑ مچا دیا۔ ان چھوکروں کو تو بس دنگے ف: کیلیئے کوئی بہانہ چاہیئے۔ ذرا سی بات پر لال جھنڈے بانس پہ کر طوفان مچانے لگتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں باسط خاں کا پتلا بنا کر چوراہے پر جلا دیا گیا۔ کسی سر پھرے نے رائے دی۔ کیوں نہ حویلی کو ہی پھونک دیا جائے۔ بات بڑھی، پولیس آ گئی۔ لاٹھی چارج ہوتے ہوتے بچا۔ بات اوپر تک پہنچ گئی۔ دو چار اخباروں نے بھی اس

لطیفے سے فائدہ اُٹھایا اور نہایت سنگین قسم کے کارٹون نکل گئے۔ پیر کو افطار سے پہلے ہی سپرنٹنڈنٹ صاحب محمد خاں کے دروازے پر کنڈی کھٹکھٹانے پہنچ گئے۔

"خلیفن جانیں، میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔۔" محمد خاں نے صاف کہہ دیا۔ اندر دروازے میں بوکھلائی بُرقعے کا پرچم اُڑائی بیگم بھی اتنے میں پہنچ گئی تھیں۔

"محمد بھائی، جو ہونا تھا ہو گیا۔ قاضی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ نیک کام میں دیر نہیں ہونا چاہیئے۔" بیگم محمد کی بڑی بی کہہ رہی تھیں۔

"میں نے کہہ دیا کہ خلیفن جانیں۔۔۔۔ میں کون ہوتا ہوں بیچ میں بولنے والا۔"

خلیفن نے جاتے ہی مورچہ سنبھال لیا۔ جھٹ سے چار پائی پر دری اور چاندنی بچھائی، ایک ٹین کی کرسی باسط خاں کی طرف بڑھائی۔

"ہاں صاحب، دیر کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی دم میں قاضی صاحب آتے ہوں گے۔"

"ارے نیک بخت، کچھ شربت وربت کا تو انتظام کرو۔" اُنھوں نے محمد میاں کو ڈانٹا۔ نکاح کے بعد سب محلے کے معززین نے مل کر روزہ افطار کیا۔ محلے کے وہی لفنگے جو گھڑی بھر پہلے باسط خاں کی ارتھی جلا رہے تھے، باسط خاں زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ باسط خاں کو صرف ایک شکایت تھی کہ پوتے کا نام خلیفن نے بدذاتی میں واحد خاں، اُن کے اپنے باپ کے نام پر رکھا حالانکہ واحد میاں کے بیٹے کا نام ساجد عرصہ ہوا طے پا چکا تھا۔ خیر اب انشاءاللہ عقیقہ پر ساجد ہی نام رکھا جائے گا۔

خلیفن دانت نکوسے لپ جھپ سب کی خاطریں کر رہی تھیں، دوڑ دوڑ کر سب کو شربت کے گلاس بانٹ رہی تھیں۔ گلی میں بدمعاش لونڈے شربت کی کٹوریاں پی پی کر نعرے لگا رہے تھے۔ "خلیفن زندہ باد!"

"اے چُپ رہو حرامخورو!" خلیفن شرما شرما کر اُنھیں کھجوریں اور نان خطائیاں بانٹ رہی تھیں۔

پھر ایک معرکہ اور محمد میاں نے خلیفن کی چوکھٹ پر سر کیا جا کر۔ اُنھوں نے کنڈی کھٹکھٹائی۔ اور بالکل جیسے کوئی پڑوسن سے نون مانگے خلیفن کی خدمت

ہیں نکاح کا پیغام پیش کر دیا۔ پہلے تو منہ پھاڑے خلیفن بھونچکی سی رہ گئیں۔ پھر جو بپھری ہیں تو خدا کی پناہ!

" حرامزادے، کلموہے، اچرکٹے، چیچڑ، قناتی۔۔۔ ارے تجھے ڈھائی گھڑی کی آئے۔۔۔ تجھے طاعون سمیٹے، تیری میت اُٹھے۔۔۔" پھر جو جوتی لے کر پلی ہیں ممدمیاں پہ تو ہلتیں نکال دیا، مگر ممد میاں زدِ محبوب پر گردن کٹاتے کا تہیہ کر کے آئے تھے، جوتیوں اور گالیوں کی بوچھار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اندر آ گئے۔ وہ جوتیاں برسا رہی ہیں، ممدمیاں کہنیوں سے وار روکتے جا رہے ہیں اور اظہار عشق بھی کرتے جا رہے ہیں۔

" اری سُن تو نیک بخت۔۔۔ اری۔۔۔ خلیفن۔۔۔ تجھے۔۔۔ میری قسم۔۔۔ میری بات تو سُن۔۔۔ رات کو۔۔۔ نیند نہیں آتی۔۔۔۔"

" اے نوج، قبر میں موئے۔۔۔ تجھے ہیضہ لے جائے۔"

" نکاح کر رہا ہوں،۔۔۔ کوئی بُری نظر نہیں ڈالی۔"

" اے ہے، اُٹھائی گیرے۔۔۔ ڈھونگی۔۔۔ تو بُری نظر ڈالے گا۔۔۔ تیرے دیدے نہ پھوڑ دوں گی۔۔۔ میری محبت کا نوتے پہ کھیل رہا ہے۔۔۔ کمینے۔۔۔ نکل۔۔۔ نکل میرے گھر سے۔"

" بس جی بس۔۔۔ بڑھتی ہی چلی جاتی ہو۔" ممدمیاں نے ہاتھ مروڑ کر جوتی چھین کر الگ پھینکی۔

" اس میں میرا کیا قصور؟"

" قصور؟۔۔۔ قصور تو میرا ہے۔۔۔ بدمعاش، کہ تیرے لئے محلے بھر سے جھگڑا کیا۔ تیرے بچوں کو اپنا سمجھا۔" خلیفن کا گلا بھر آیا۔

" تو جب اپنا سمجھا ہے تو چل کے سنبھالو کمبختوں کو۔۔۔" ممدمیاں گھگھیائے۔

" پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔۔۔ میں تیرے بچوں کی لونڈی ہوں موئے۔۔۔ چل دور ہو۔۔۔" وہ دور ہٹیں۔

" لونڈی ہو کہ بیگم۔۔۔ اب تو تم ہی سب کچھ ہو۔۔۔" ممدمیاں اُن کی

طرف کھسکے۔

" ارے جا میاں۔۔۔ گھاس کھا گیا ہے۔۔۔ خبردار جو تو نے ایک قدم بڑھایا۔۔۔" وہ پیچھے ہٹیں، مگر ممدمیاں بڑھتے ہی چلے گئے۔

" موئے جاتا ہے کہ نہیں۔۔۔" خلیفن سہم کر دیوار سے چپک گئیں۔

" نہیں خلیفن!۔۔۔ جی کرے تو مار ڈال۔۔۔ پر اللہ قسم۔۔۔ اب صبر نہیں ہوتا۔" ٹھنڈی آہ بھر کے ممدمیاں بالکل ہی سٹ گئے۔

" ہے ہے موئے۔۔۔ بے شرم۔۔۔" خلیفن کی آواز گھٹ گئی۔

" دل پہ قابو نہیں خلیفن۔۔۔ قرآن قسم۔۔۔" اور ممدمیاں نے لالٹین کی بتی نیل میں اُتار کر بجھا دی۔

رات کے دو بجے مسجد سے نکاح کر کے نکلے اور ممدمیاں خلیفن کو اکے پر بٹھا کر لے چلے تو اُن کے دانت مونچھوں میں بکھرے جا رہے تھے جیسے وہ نئی دُلہن بیاہ کر لے جا رہے ہوں، خلیفن بھی کنواری لونڈیا کی طرح کانپ رہی تھیں۔

" سچ بتاؤں خلیفن۔۔۔ جب پہلے دن بنو کی زچگی میں تم نے مجھے گالیاں دی تھیں، میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔ پر تم بھی تو مجھے چاہنے لگی تھیں۔"

" اے ہے توبہ! خدا نہ کرے۔" خلیفن بھنائیں۔

" اب ہم سے جھوٹ نہ بولو۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ بھلا تمہاری نیت صاف ہوتی تو میرے دل میں میل کیوں آتا۔" ممدمیاں نے جرح کی خلیفن بوکھلا گئیں۔

" تجھ پہ خدا کی سنوار۔۔۔" اُنھوں نے حلق میں موٹی سی گالی دبا کر کہا۔

اگر قسمت نے ممدمیاں کو اُن کا خدائے مجازی نہ بنا دیا ہوتا تو وہ اُن کی سات پُشتوں کو مزے بھنتیں۔

"ہیں تو بچوں کی وجہ سے . . . . . " وہ چپ ہو گئیں۔

"بچوں کی اتنی فکر ہے ظالم! اور بچوں کا باپ آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔" ممدو میاں نے کہنی سے خلیفن کا گھٹنا دبا کر کہا۔

"دُنیا کیا کہے گی؟"

"ارے گولی مارو سالی دُنیا کو!" ممدو میاں نے چابک پھٹکارا۔ اور گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

"سنا ہے بہت دن سے تعلق تھا" وہاب چچا کی دولہن نے گیبریل کرلونڈے کو ایک گھٹنے سے دوسرے پہ ٹھسکا۔

"اے ہوگا۔ ہماری بلا سے!" بیوی نے اکتا کر بات کی کتر نوڑی اور کتھا چونا لگانے لگیں۔

دور کہیں۔ یہ کوئی آوارہ چھوکرا گاتا ہوا بخیہ شاہی کی طرف جا رہا تھا۔ "عشق پر زور نہیں..."

اور خلیفن ڈھیر سارے جھوٹے برتن سامنے رکھے جھما جھم مانجھ رہی تھیں۔ دو سیر آٹا گوندھنے سے مونڈھوں میں میٹھا میٹھا درد ہو رہا تھا۔ ممدو میاں حقہ پیتے ہیں مونچھوں ہی مونچھوں میں مسکرا رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں گستاخ شرارت تھی۔

رات کو جب ممدو میاں اپنا بھاری سیاہ ہاتھ ان کے دل پہ رکھ کر غافل سو رہے تھے تو خلیفن جاگ رہی تھیں۔ حجازم کے نیچے سوئے ہوئے بچوں کی میٹھی سانسیں ان کے کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ اُنھیں ایسا معلوم ہوا۔ وہ بڑے چھتنار درخت کے شرنتی سائے میں لیٹی ہیں اور اُن کی گود میں میٹھے میٹھے پھل برس رہے ہیں۔

ختم شد